ان دنوں ہندوستانی میڈیا اور سماج میں ہم جنس پرستی کا بڑا شور و غوغا ہے۔ آزاد خیال حضرات زور و شور سے انسانی حقوق کے حوالے سے ہم جنس پرستی کی حمایت کر رہے ہیں۔ دوسری طرف کچھ مذہب اور خدائی تعلیمات کے حوالے سے باتیں کر رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی جو بھارتیہ سبھیتا اور سنسکرتی کی رکشا کرتے ہوئے اس کے خلاف پر تشدد انداز اختیار کیے ہوئے ہیں اور طاقت کے بل پر اس کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔

ایسے لوگ جو برائی کا بہ جبر انسداد کر دینا چاہتے ہیں، اِس بڑی حقیقت سے بے بہرہ ہوتے ہیں کہ خرابی یا برائی کو روکنے میں قانون اب تک ناکام ہی ثابت ہوا ہے۔ جب تک قانون کی پشت پر اخلاقی یا سماجی قوت نہ ہو، قانون برائیوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ قانون کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ وہ انسان پر باہر سے تھوپا یا نافذ کیا جاتا ہے۔ مگر اخلاق انسان کو اندر سے بدلتا ہے۔ اگر اخلاق اچھا ہو گا تو انسان اچھا ہو گا اور اگر اخلاق برا ہو گا تو انسان برا ہو گا۔ جس قانون کی پشت پر اُس قانون سے ہم آہنگ اخلاقی قوت نہ ہو وہ قانون ناکام ہو کر رہتا ہے اور آخر کار بدل دیا جاتا ہے۔ اچھا اخلاق اچھے قوانین رائج کرتا ہے اور برا اخلاق برے قوانین بناتا ہے۔

قانون عوام کے لیے ہوتا ہے۔ اور قانون کی بنیاد عوام کے اخلاق پر ہے۔ اخلاق میں تبدیلی پہلے آتی ہے اور پھر اخلاق کی اس روش کو دیکھتے ہوئے قانون اپنے کو بدل دیتا ہے۔ عوام کی مرضی کے

خلاف جبراً کسی قانون کے بدل جانے سے عوام کا اخلاق نہیں بدل سکتا مگر اخلاق کے بدل جانے سے قانون کی کوئی عملی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ اخلاق کی یہ باضابطہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو قانون کی پابندی کرائے، مگر قانون کی یہ باضابطہ ذمے داری نہیں کہ وہ لوگوں میں اخلاقی شعور بیدار کرے۔ اور قانون چاہ کر بھی اخلاقی شعور بیدار نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ اس کا دائرہ کار نہیں۔

ہم جنس پرستی کے سلسلے میں اصل مسئلہ قانون کا نہیں۔ بلکہ اصل مسئلہ اخلاق کا ہے۔ ہندوستان میں ایسے لوگوں کی ایک تعداد بہر حال پائی جاتی ہے جو ہم جنس پرستی کی حمایت کرتے ہیں اور اس کا قانونی جواز نکالنا چاہتے ہیں تاکہ جو لوگ ہم جنس پرستی میں مبتلا ہیں وہ آزادی کی کھلی فضا میں سانس لے سکیں۔

جب بھی کسی جمہوری ملک میں قانون میں ردوبدل کی بات آئے گی قانون کو عوام کے اخلاق سے رجوع کرنا پڑے گا۔ پھر جیسا عوام کا اخلاق ہو گا اسی کے مطابق قانون میں ردوبدل کیا جائے گا۔ ہم جنس پرستی کے سلسلے میں بھی قانون جو کچھ کرے گا وہ سراسر لوگوں کے اخلاقی تصور کے تابع ہو گا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آج کل لوگوں کا اخلاقی تصور بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ ہم

جنس پرستی کے تئیں بھی لوگوں کا اخلاقی تصور بدلا ہے۔ یہ محض ''کچھ لوگ'' نہیں ہیں جو شر اور فساد پھیلانا چاہتے ہیں بلکہ یہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں جو ہم جنس پرستی کی آزادی کو انسانی حقوق کی پاسداری سمجھتے ہیں۔ اور ان کی پشت پر بیسیوں NGOs ہیں جو انسانی حقوق اور ہم جنس پرستی کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھتے ہیں۔

دفعہ 377 کے سلسلے میں دہلی ہائی کورٹ کا حالیہ فیصلہ ہندوستانی نظامِ عدل کے پس پشت کار فرما اخلاقی تصور میں ایک باضابطہ اور بنیادی تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اس بات کی نشاندہی بھی باضابطہ طور پر کرتا ہے کہ ہندوستانی عوام کے ذی شعور اور بااثر طبقے کے تصورِ اخلاق میں بنیادی نوعیت کی تبدیلی آئی ہے۔ اور اسی وجہ سے حیات و کائنات اور اخلاقیات سے متعلق بنیادی نوعیت کے سوالات از سرِ نو پیدا ہو گئے ہیں۔

ہم جنس پرستی کے جواز پر دہلی ہائی کورٹ کے مثبت بیان سے بھارتی میڈیا میں جو بحث شروع ہوئی ہے اس بحث کا اثر صرف ہم جنس پرستی کے معاملے تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ اس سے دوسری بہت سی ناروا چیزوں کا قانونی جواز بھی نکل آئے گا۔ مثال کے طور پر انسانی حقوق کے نام پر Incest یعنی خونی رشتوں (مثلاً، ماں بیٹا، بھائی بہن وغیرہ) کے درمیان جنسی تعلق اور شادی

کی راہ بھی کھل سکتی ہے۔ اور اس کے حمایتی کہہ سکتے ہیں کہ جب باپ اور بیٹی دونوں رضامند ہیں تو سماج کو اس میں بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو فرد کا انسانی حق ہے کہ وہ جس سے چاہے جسمانی تعلق قائم کرے۔ یعنی جب ہم ایک بار انسانی حقوق کا لامحدود مطالبہ تسلیم کر لیتے ہیں تو فرد کے لیے کچھ بھی جائز اور ناجائز نہیں رہ جاتا۔ اور نہ کوئی چیز اچھی اور بری رہ جاتی ہے۔ حق اور سچ، اچھائی اور بھلائی، ایک لفظ میں کہیں تو ''خیر'' جمہوری طور پر انفرادی خواہشات کے تابع ہو جاتا ہے اور اخلاق کا کوئی متفق علیہ ماڈل نہیں رہ جاتا۔

ظاہر ہے یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ ''خیر'' اور '' ستیم شوم سندرم'' کا بنیادی تصور ہی خطرے میں پڑ جائے۔ یہ تقریباً ہوش اڑا دینے والی بات ہے۔ اس سے سماج میں طوائف الملوکی پھیل جائے گی۔ انسان کی جنسی زندگی میں آنے والے اس انقلاب سے انسانی زندگی کا کون کون سے گوشے متاثر ہوں گے اس وقت اس کا صحیح تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس طوفان کا مقابلہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم جنس پرستوں کے حمایتی حضرات کے ساتھ جذباتی اور متشدد بحثیں کی جائیں۔ اور نہ ماننے پر انہیں قانونی طور پر مجبور کیا جائے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، قانون بنانے یا نہ بنانے سے ہم جنس پرستی کی اس لہر کو روکا نہیں جا سکتا۔ اس سے کوئی خاطر خواہ اثر نہ پڑے گا بلکہ الٹا نقصان ہی ہوگا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم جنس پرستی بنیادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بنیادی مسئلے کی ایک شاخ ہے جسے بھارتیہ سبھیتا اور سنسکرتی کے علمبردار نہیں سمجھ سکتے۔

بھارتیہ سبھیتا اور سنسکرتی ایک محدود چیز ہے اور انسانیت پر مبنی نقطہ نظر اس سے بہت وسیع ہے۔ اس لیے ہمیں ہندوستانی روایات، مشرقی تہذیب، مشرقی روایات، وغیرہ جیسی باتوں کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔ یہ سب محدود چیزیں ہیں اور انہیں ذہن میں رکھ کر ہم انسانی حقوق اور ہم جنس پرستی اور اس سے جڑے ہوئے دیگر مسائل کے حقیقت پسندانہ حل تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو لوگ اس مسئلے میں صحیح موقف اپنانا چاہتے ہیں انہیں کلچرل نیشنلسٹوں کے سر میں سر ملا کر نہیں بولنا چاہیے۔ اس کی جگہ انہیں ہم جنس پرستوں سے گہرا مباحثہ اور افہام و تفہیم کی راہ اپنانی چاہیے۔

جب کہ میڈیا میں مسلمان اور کلچرل نیشنلسٹ دونوں قسم کے لوگ ہم جنس پرستی کے مخالف نظر آتے ہیں تو ہم جنسیت کے حامی اپنے ناکافی علم کے سبب مسلمانوں اور کلچرل نیشنلسٹوں کو" ایک جیسے" ہی سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ اور ایک طرف سے تمام لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کو بھی اپنا دشمن سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ کلچرل نیشنلسٹوں کی شکایت ہم جنس پرستوں سے صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ "ہومو" ہیں۔ لیکن ایک مسلمان بنیادی طور پر کسی "ہومو" سے اس کے ہومو ہونے وجہ سے اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ ایک مسلمان کی بنیادی شکایت کسی غیر مسلم کا "ہومو ہونا" نہیں ہے۔ وہ کسی ہومو کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھے گا کہ یہ شخص ہم جنسیت جیسے قبیح فعل کی وکالت کر رہا ہے۔ حالانکہ مسلمان اپنی جگہ ہم جنس پرستی کو ایک قبیح فعل تصور کرے گا

لیکن اس فعل قبیح میں مبتلا کسی غیر مسلم سے نفرت کا اظہار وہ نہیں کر سکتا۔ نفرت تو اس سے کی جاتی ہے جو "حق" کو سمجھتے ہوئے بھی محض اپنے نفس کا بندہ بن کر رہ جائے۔

موجودہ دور میں ہم جنس پرستی کے وکیل "حق" کیا ہے یہی نہیں سمجھتے۔ وہ بے خبری کے عالم میں ہیں۔ وہ ایک غلط کاری میں مبتلا ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ پھر وہ اسلام سے سرے سے ناواقف ہیں۔ اچھائی اور برائی کا حقیقی علم نہ رکھنے کی صورت میں کسی شخص کے اچھے یا برے عمل کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی۔ ہم جنس پرست بھی دراصل اپنے فعل کی قباحت سے ناواقف ہیں۔ وہ واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ "ہم جنس پرستی" میں ہی خیر پوشیدہ ہے۔ اب جس گروہ کی بے خبری کا عالم یہ ہو، اسے سب سے پہلے "حق" کی دعوت دینے کے بجائے آدرش بھونکنا اور اخلاق چنگھاڑنا، اور تشدد پر آمادہ ہو جانا غیر دانشمندی ہے۔

ایک مسلمان کی دشمنی اور دوستی کی بنیاد کائنات کا وہ نظریہ ہے جسے مسلمان تسلیم کرتا ہے۔ چونکہ مسلمان خدا ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہے اور اپنے افعال کے سلسلے میں خود کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھتا ہے اور تہہ دل سے یہ سمجھتا ہے کہ اسے زندگی کے انتہائی بنیادی مسائل میں اپنی خواہشِ

نفس کو اپنا رہنما نہیں بنانا ہے بلکہ اسے خدا کی رہنمائی میں اپنی زندگی بسر کرنی ہے۔ اور خدا کی نظروں میں ہم جنسیت ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

ایک مسلمان اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس کی آزمائش کر رہا ہے اور اس آزمائش کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کے سامنے خیر اور شر دونوں پر چلنے کی راہیں کھلی ہوئی ہیں، انسان دونوں میں سے جس راستے پر چاہے چل سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے بتا دیتا ہے:

فالھمہا فجورہا و تقوٰہا

’’اور ہم نے اس کی نیکی اور اس کی بدی اس پر الہام کر دی۔‘‘ (القرآن)

اس لیے کسی مسلمان کے لیے ہم جنس پرستی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر اسے یقین نہ آسکتا ہو۔ ایسا نہیں کہ اسے اس ناروا جذبے کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔ بلکہ جب بھی اس کے اندر اس قسم کا کوئی داعیہ پیدا ہوتا ہے وہ اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور ایسی تدبیریں کرتا ہے جس سے کہ وہ اللہ کے بتائے

ہوئے راستے پر چلے۔ پھر مسلمان اپنے سماج میں ایسا صحتمند ماحول پید کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے کہ مرد وخواتین کے درمیان صنفی دلچسپی برقرار رہے جو مغربی معاشرے میں عریانی اور بے حیائی کی وجہ سے خطرے میں ہے۔ اسلامی حجاب کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے دونوں جنسوں کے درمیان دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ جس سماج میں ''حجاب کا آدرش اسلامی ماڈل'' ہو اس میں ہم جنس پرستی جیسی لعنت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

مگر جیسا کہ ہم نے اوپر کہا کہ ایک مسلمان کسی ہم جنس پرست غیر مسلم سے اس بنا پر نفرت نہیں کرتا کہ وہ ہم جنس پرست ہے بلکہ اس بنا پر اس سے اختلاف رائے رکھتا ہے کہ ''میں کائنات کا جو نقطۂ نظر رکھتا ہوں، یہ شخص اس سے اتفاق نہیں رکھتا۔ میں جس خدا کو تسلیم کرتا ہوں اور جس کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں، اُس خدا کی اِس شخص کو خبر ہی نہیں ہے، جب یہ حالت ہے تو پھر اس شخص سے خطاب کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ میں اسے سب سے پہلے یہ کہوں کہ ہم جنس پرستی ترک کر دو۔ بلکہ میں اس سے پہلے یہ کہوں گا کہ پہلے تم خدا پرستی اختیار کرو۔ پھر خدا پرستی اختیار کر لینے کے بعد ہم جنس پرستی کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے؟

جب اپنے اس اصولی موقف کو ایک مسلمان سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کے لیے ہم جنس پرست اور غیر ہم جنس پرست دونوں مساوی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ آج کے حالات میں جو لوگ ہم جنس پرستی کی کھلی تبلیغ کر رہے ہیں، وہ ایک مسلمان کی نظر میں زیادہ قابل احترام ہو جاتے ہیں کیوں کہ ایسے لوگوں کے اندر بے پناہ قوت مزاحمت پائی جاتی ہے۔ جو لوگ پورے ایک سماج، پوری ایک سبھیتا، پورے ایک نظامِ عدل اور پورے ایک متشدد گروہ کے سامنے جمے ہوئے ہوں، اور سب انہیں ''ہومو'' کی گالی دے کر تھو تھو کر رہے ہوں، اور وہ تب بھی ڈٹے ہوئے ہوں، اور وہی کہہ رہے ہوں جو ان کی سمجھ میں آرہا ہے تو ایسے کسی شخص کی ہمت کی داد نہ دیں تو اور کیا کریں؟ غالب نے ٹھیک ہی کہا ہے:

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

غالباً یہی سچی تحریکی اسپرٹ ہے جو ہم جنس پرستی جیسے غلط کام میں صرف ہو رہی ہے۔ دعوت حق کا معیار یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف حلق پھاڑ کر چیخنے کے بجائے انہیں دل کی گہرائیوں سے حق

کی طرف آواز دی جائے۔ اللہ کی پکار داعی کے حلق سے نہیں بلکہ اس کے دل سے نکلتی ہے۔

ہم جب بھی کسی مسئلے پر بات کریں تو اس کی ابتدا متشددانہ لہجے میں نہ کریں۔ اگر ہم کسی چیز کو غلط سمجھتے ہیں تو اس کو غلط ضرور کہیں اور ہم اپنی بات سخت لہجے میں بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن تشدد کی زبان نہ بولیں۔ تشدد کی زبان کا مطلب یہ ہے کہ ” ہم جو کہہ رہے ہیں تم کو وہی کرنا ہو گا۔ اگر تم نہ کرو گے تو ہم تمہاری ایسی تیسی کر دیں گے۔“ ہم جنس پرستی کے سلسلے میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ متشددانہ لہجے میں چنگھاڑنے سے ہم جنس پرستی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ اس وقت انٹرنیٹ پر ہم جنس پرستوں کی بن آئی ہے۔ یہ ہوا تو بہت پہلے سے بہہ رہی تھی، لیکن دہلی ہائی کورٹ کے حالیہ فیصلہ کن بیان کے چند ہی ہفتوں کے بعد نہ جانے کتنے لوگ ہم جنس پرستی کی زد میں آ چکے ہیں۔ آرکُٹ ، فیس بک جیسی ویب سائٹوں پر جا کر دیکھیں یا، یاہو چاٹ پر جائیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ایسے لوگوں کی خاصی تعداد ہے جو ہم جنسی پر مبنی جسمانی تعلق قائم کرنے کے لیے ہمہ تن رضامند ہیں۔ لوگ نقلی نام کے ساتھ انٹرنیٹ پر چاٹ کرتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی نیت جان لینے کے بعد ملاقاتیں کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہم جنس جوڑے وجود میں آجاتے ہیں۔ یقینی طور پر یہ مسئلہ جتنا کھل کر ہمارے سامنے آیا ہے اس سے زیادہ پوشیدہ ہے اور اتنا گمبھیر ہے کہ متشددانہ کارروائیوں اور بیان بازیوں کے ذریعے اس کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔

کسی بھی اہم مسئلے میں بات کرنے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ پہلے مسئلے کو پوری طرح سمجھا جائے۔ نہ صرف اس مسئلے کو پوری طرح سمجھا جائے بلکہ وہ مسئلہ بجائے خود کیوں پیدا ہو رہا ہے، اس کی وجہ پر بھی غور کیا جائے۔ جب ایک بار مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا تو پھر اس کا حل نکالنے میں کامیابی بھی مل سکتی ہے۔

ہم جنس پرستی جیسے کسی ایشو پر غور کرتے وقت یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس طرح کے لوگ ہیں جو ہندوستان میں ہم جنس پرستی کو قانونی جواز فراہم کرنے کے حق میں ہیں۔ اس سلسلے میں جب ہم غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ہم جنس پرستی کی وکالت کرنے والے لوگ 6 قسم کے ہیں:

پہلی قسم

پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو محض اپنی مغرب زدگی کے باعث، اور انسانی حقوق اور فرد کی آزادی کے زبردست وکیل ہونے کی وجہ سے اس کے حامی ہیں حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ خود بھی ہم جنس پرستی میں مبتلا ہوں۔

دوسری قسم

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہیں جنسی تشفی کے لیے جنس مخالف کا کوئی فرد دستیاب نہیں۔ اور پوری پوری کوشش کے باوجود جنس مخالف کا کوئی فرد انھیں حاصل نہیں ہو رہا تب وہ مجبوراً کسی ہم جنس سے تعلق قائم کرنے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ اگر انہیں جنس مخالف کا کوئی فرد مل جائے تو وہ اپنے اس فعل سے فوراً تائب ہو جائیں گے۔

تیسری قسم

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہیں مرد اور عورت دونوں کے جسموں میں جنسی کشش محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی تعلق بنانے کے لیے ہمہ وقت آمادہ رہتے ہیں۔

چوتھی قسم

چوتھی قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جنہیں اپنے جنس مخالف سے ملنے جلنے اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور جنسی تعلق قائم کرنے کا موقع اس کثرت سے ملتا ہے کہ ایک حد کے بعد وہ جنس مخالف کے بدن سے اکتا کر ہم جنسوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگ بھی چاہتے ہیں کہ ہم جنس پرستی کو قانونی جواز ملے قبول کر لے تا کہ وہ شرمندگی اور خوف سے بچ جائیں۔

پانچویں قسم

پانچویں قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو صرف جنس مخالف سے جنسی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی کسی ہم جنس کے حسن یا جمال سے اتنا زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں کہ ان سے جنسی تعلق قائم کر بیٹھتے ہیں۔

چھٹی قسم

چھٹی قسم کے لوگ وہ ہیں جن کی نگاہ واقعی اپنے جنس مخالف کی طرف نہیں اٹھ پاتی کیوں کہ وہ فطری طور پر اس سے معذور ہوتے ہیں۔ جنس مخالف کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھ سکنے کی یہی معذوری اصل مسئلہ ہے جس کو ہمیں اچھی طرح سمجھنا ہے۔

ہمارے خیال میں ہم جنس پرستی کی وکالت کرنے والوں کی یہی چھ قسمیں ہیں۔ اگر اوپر کی چھ قسموں میں سے پہلی قسم کو خارج کر دیا جائے تو قسم نمبر دو سے قسم نمبر پانچ تک کل پانچ طرح کے

لوگ پائے جاتے ہیں جو ہم جنس پرستی کا رجحان رکھتے ہیں اور کسی نہ کسی درجے، کیفیت اور عمر کے کسی نہ کسی حصے میں ہم جنسوں سے جسمانی تعلق قائم کرتے ہیں۔

ہم جنس پرستوں کی یہ 5 قسمیں جامد نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قسم کے لوگوں کا جنسی رجحان عمر، وقت، حالات اور ماحول کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں بلکہ چھٹی قسم کے لوگوں کا جنسی رجحان بھی بدلتا ہے۔ مثال کے طور پر کل تک کوئی شخص ہم جنس تھا، پھر معلوم ہوا کہ اس کا رجحان بدل گیا اور اب وہ جنس مخالف کا پرستار بن گیا۔ اب اس کے جنسی رجحان کی کجروی دور ہو گئی۔

عمر اور سماجی حالات کے لحاظ سے جنسی رجحان کا بدل جانا ایک حقیقت ہے۔ جب کسی سماج میں ہم جنسی کو فروغ حاصل ہو گا تو اس سے نارمل لوگوں کی زندگی بھی متاثر ہو گی اور وہ بھی ہم جنسی اختیار کریں گے۔ لذت کا حصول ایک ایسی ترغیب ہے جس سے ہر غیر محتاط شخص متاثر ہو سکتا ہے۔

جس طرح کسی ہم جنس پرست معاشرے میں صحیح جنسی رجحان رکھنے والا جنسی کجروی کا شکار ہو سکتا ہے، اسی طرح کسی ایسے معاشرے میں، جس میں ہم جنسی پر پابندی عائد ہو، ہم جنس پرستوں کا جنسی رجحان بھی بدل کر درست ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جب کسی ہم جنس پرست معاشرے میں ایک نارمل شخص کا جنسی رجحان بدل سکتا ہے تو ایک ایب نارمل شخص کا جنسی رجحان کیوں نہیں بدل سکتا؟ جنسی رجحان ایسی چیز نہیں جس میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔ یہی حرکت پذیری اس بات کی دلیل ہے کہ اس فاسد رویے کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔

مگر ہم جنس پرستی کی حمایت کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ " انسانی طبیعت ہم جنسوں کی طرف (بھی) مائل ہوتی ر رہتی ہے اس لیے ہم جنس پرستی ایک طبعی اور فطری چیز ہے" وہ لوگ دراصل لفظ "فطرت" کی آڑ میں لذت پرستی اور عیاشی کو سماجی قبولیت کا درجہ دلانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ " چونکہ ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے، اور ایسے لوگ بھی ہیں جو بچپن سے ہم جنسوں کے لیے کشش محسوس کرتے ہیں اور جنس مخالف سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں رکھتے تو پھر انہیں کیوں منع کیا جائے کہ وہ اپنی اس "فطری" خواہش پر قابو پائیں؟

ایسے لوگ فطری خواہش یا فطرت کی ایک بالکل ہی دوسری تعریف پیش کرتے ہیں۔ وہ فطرت کے رائج مفہوم کو چھوڑ کر اس کا ایسا مطلب نکالتے ہیں جس کو اگر مان لیا جائے تو پھر انسانیت نام کی چیز اس دنیا سے ختم ہو جائے گی۔ ''انسانی فطرت'' کی بنیاد اگر ''خواہش'' کو مان لیا جائے تو پھر ہم دنیا کی کسی برائی پر قابو نہ پا سکیں گے۔ اس کے بعد تو نشہ خوری، خودکشی، زنا بالجبر، اذیت رسانی، اذیت پسندی، ان سب کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر بدکار شخص، مثال کے طور پر زنا بالجبر کا مرتکب یہ کہے گا کہ یہ تو میری فطرت میں داخل ہے۔ مجھے ایسی خواہش ہوئی اس لیے میں نے فطری طور پر ایسا کیا۔ ایک اذیت رساں جیلر یا پولیس افسر یہ کہے گا مجھے مجرموں کو اذیت (Torture) دینے کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔ اور کوئی مجرم یہ کہے گا کہ مجھے جرم کرنے بعد چابک سے پیٹے جانے میں بڑی لذت ملتی ہے۔ حالیہ دور میں نہ جانے کتنے ایسے سیریل کلرس (Serial Killers) ہیں جو محض لذت کے حصول کے لیے لوگوں کو بلاوجہ قتل کر ڈالتے ہیں۔ ان کا صاف جواب یہ ہوتا ہے کہ میری خواہش ہوئی اس لیے میں نے ایسا کیا۔

اس لیے اگر صرف خواہش کو فطرت کی بنیاد سمجھا جائے گا تو اس سے بڑی حماقت اور جہالت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ فطرت کی آڑ لے کر کج بحثی کا یہی سلسلہ جاری رہتا ہے تو پھر دنیا کی کسی بھی برائی کو برائی ثابت نہ کیا جا سکے گا اور لامحدود خواہشوں کا یہ طوفان دنیا کو لے ڈوبے گا اور انسان انسانیت کے بجائے حیوانیت اختیار کرتا نظر آئے گا۔

ہم جنس پرستی کو قانونی جواز عطا کر دیے جانے کے بعد بعد چوپایوں اور بندروں سے جنسی تعلق قائم کرنے دینے کی آزادی کا نمبر آتا ہے۔ فی زمانہ مغرب میں Animal Sex بڑے زور وشور سے چل رہا ہے۔ ہندوستان میں انٹرنیٹ پر ایسی بلیو فلمیں کثرت سے ڈاون لوڈ کی جارہی ہیں جن میں Animal Sex کے نظارے ہوتے ہہیں۔ اس لیے کچھ بعید نہیں کہ آئندہ چند دہائیوں میں Animal Sex کے حامیوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد پیدا ہو جائے جو اپنی اس "فطری خواہش" کو بنیاد بناکر اس کی قانونی اور اخلاقی آزادی دیے جانے کا مطالبہ بھی کرنے لگیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر جانوروں کے حقوق کے لیے لڑنے والے لوگ بھی ان کے خلاف میدان میں کود پڑیں گے۔ ان کی دلیل یہ ہوگی کہ چونکہ چوپائے (گائے، بکری) اور دوپائے جانور (بندر، لنگور) بے زبان ہیں اس لیے کسی انسان کے ساتھ جنسی عمل میں شریک ہونے کی جانوروں کی رضامندی ثابت نہیں کی جاسکتی۔ یہ جانوروں کو اذیت دینا ہے۔ اس لیے عدالت سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس فعلِ قبیح پر پابندی لگائی جائے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک کوئی ایسا آلہ ایجاد کر لیا جائے جو جانوروں کی مرضی معلوم کرلے اور پھر اس طرح Animal Sex بھی رائج ہو جائے۔ یہ خیال مضحکہ خیز ضرور ہے مگر جیسے آثار نظر آرہے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے کہا جا سکتاہے کہ مستقبل میں یہ بھی ضرور برپا ہو کر رہے گی۔ اور بالفرض محال جانوروں کی رضامندی معلوم کرنے والا کوئی آلہ نہ بنایا جاسکا تو اس تحریک کے علمبرداروں کی سب سے مضبوط دلیل یہ

ہو گی کہ ”اگر ہم قانونی طور پر جانوروں کو ان کی مرضی کے خلاف مار کر کھا سکتے ہیں تو قانونی طور پر ان سے ان کی مرضی کے خلاف جنسی تعلق کیوں قائم نہیں کر سکتے؟“ پھر تو بن آئے گی بھارتیہ سبھیتا اور سنسکرتی کے ٹھیکے داروں کی۔ وہ بھی یہ کہتے ہوئے میدان میں کود پڑیں گے کہ ہم نہ کہتے تھے کہ مانساہار بھارتیہ سبھیتا اور سنسکرتی پر کلنک ہے۔ گو ہتیا بند ہو۔ جئے ماتا دی۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ 'خواہش'' کو فطرت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن ہم جنس پرستی کے حامی فطرت کی بنیاد خواہش پر سمجھتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ فطرت کی بنیاد ”حق“ پر ہوتی ہے۔ انسان کی سرشت میں نیکی اور بدی، حق اور باطل، اچھی اور بری دونوں طرح کی چیزیں پائی جا سکتی ہیں۔ اب یہ انسان کے ذوقِ انتخاب پر منحصر ہے کہ وہ اپنے لیے کیا پسند کرتا ہے

اس مضمون کے پہلے حصے میں ہم جنس پرستی اور 'انسانی فطرت' کے سلسلے میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ اگر ہم نے انسانی فطرت کے حوالے سے ہم جنس پرستی پر آمادہ لوگوں کو روکنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک انسانی فطرت کے وہ معنی ہیں ہی نہیں جو ہم مراد لیتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اگر لفظ ” فطرت“ کے مفہوم کو یکسر آزاد چھوڑ

دیا جائے تو ہر کوئی اس کی من مانی تشریح پر اتر آئے گا اور پھر زمین پر بے حیائی اور بدکاری کا وہ سیلاب امڈ آئے گا جس کا صحیح تصور بھی ابھی نہیں کیا جا سکتا۔ لفظ فطرت کی من مانی تشریح کے بعد جنسی خواہش کو قابو میں رکھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب خود انسان کی سرشت میں اس قسم کی شہوانی حرکتوں کی گنجائش موجود ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسے افعال کا ارتکاب انسان نہیں کر سکتا۔

اس لیے سب سے پہلے فطرت کے مفہوم کو طے کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر اس کا جو مفہوم بھی ہم طے کریں گے ہم جنس پرست فوراً کہہ دیں گے کہ یہ تو آپ کا طے کردہ مفہوم ہوا، ہمارا مفہوم تو اس سے الگ ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ ’فطرت‘ کی ہماری اور ان کی تشریح اور تعبیر میں شدید اختلاف بلکہ ناگزیر تصادم ہے۔ اگر وہ کسی الٰہی مذہب کو تسلیم نہ کریں تو ہم انہیں کسی بھی طرح قائل نہیں کر سکتے کہ انسانی فطرت دراصل ویسی ہی ہے جیسی ہم سمجھتے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ چونکہ ہمیں ایسی خواہش ہوتی ہے اسی لیے ہماری فطرت ایسی ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے لیے فطرت کی بنیاد ’خواہش‘ پر ہے۔ اور ہمارے لیے فطرت کی بنیاد ’حق‘ پر۔ اور حق وہی ہے جو خدا نے ہمارے لیے ٹھیرایا ہے۔ اپنے لیے خود ہی حق کا تعین کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔

لفظ فطرت کا استعمال عام معنوں میں بھی ہوتا ہے اور خاص معنوں میں بھی۔ عام معنوں میں انسانی فطرت میں اچھی اور بری تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور خاص معنوں میں ”انسانی فطرت“ سے مراد انسان کی صالح فطرت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے عام معنوں میں لفظ ”دین“ کے تحت

دنیا کے تمام مذاہب آجاتے ہیں۔ لیکن اللہ کے نزدیک اسلام ہی وہ مذہب ہے جو صحیح معنوں میں "دین "ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔ (ان الدین عند اللہ الاسلام) حالانکہ دنیا میں اسلام کے علاوہ بھی ادیان ہیں۔ عام طور پر لوگ لفظ فطرت کے استعمال سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کہتے پھرتے ہیں کہ " ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم جنسیت کا جذبہ انسانی فطرت میں نہیں؟ یہ جذبہ تو ہم خود بھی محسوس کرتے ہیں۔" وہ محسوس کرتے ہیں یہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے مگر ہم جنسیت کے جذبے کو انسان کی صالح فطرت میں شمار نہیں کیا جاتا۔ جب بھی کسی قانون میں "غیر فطری جنسی تعلق" کا ذکر آتا ہے اس سے حقیقی مراد " غیر صالح جنسی تعلق" ہوتا ہے۔ قانون یہ نہیں کہہ سکتا کہ کسی انسان کی فطرت میں ہم جنسیت کا جذبہ نہیں ہے۔ بلکہ قانون کا حقیقی منشا یہ ہے کہ انسان کی صالح فطرت میں اس جذبے کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ہم جنس پرستی ایک قابل سزا جرم ہے۔ "غیر فطری جنسی تعلق" سے قانون کی حقیقی مراد "غیر صالح جنسی تعلق" ہے۔

اب بات یہاں آکر ٹھہر جاتی ہے کہ انسانی فطرت میں کون سی خواہشیں صالح ہیں اور کون سی غیر صالح۔ تو اب یہ حضرات کہیں گے کہ آخر مٹھی بھر لوگوں کو ہمارے لیے "صالح" کیا ہے یہ طے کرنے کا اختیار کس نے دے دیا؟ کیا ہم سے پوچھ کر ہمارے لیے "صالح" طے کیا گیا تھا؟ اور کیا دوسرے طے کریں گے کہ ہمارے لیے صالح کیا ہے؟ ہمارے لیے صالح وہی ہے جسے ہم خود صالح قرار دیں۔ ورنہ ایسے قوانین کے خلاف جہاد واجب ہے جو ہمارے لیے ہماری رضامندی

کے بغیر ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ ناز فائونڈیشن جیسی تنظیمیں جس نظام فکر و فلسفہ کی پروردہ ہیں ان کی دلیل اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ صرف الفاظ اور انداز کا فرق ہو گا۔

تو پھر صالح کیا ہے اسے طے کرنے کا اختیار کسے ہو گا؟ خدا کو یا انسان کو۔ موجودہ نظامِ فکر و عمل میں خدا کو صالح اور غیر صالح طے کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ یہاں جو بھی طے کرنا ہے انسان کو طے کرنا ہے اور جمہوری طور پر عوام کی اکثریت کو طے کرنا ہے۔ لیکن اسی جمہوریت میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اکثریت کو اقلیت کے لیے حق اور ناحق یا صالح اور غیر صالح طے کرنے (یعنی قانون بنانے) کا اختیار نہیں دینا چاہتے۔ وہ اقلیت کے مفادات کے لیے جمہوری طور پر جدو جہد کرتے ہیں اور رائے عامہ کو ہموار کرتے ہیں۔ ہم جنسیت کے حامی لوگ زیادہ تر اسی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم جنس پرستی کو ایک ماس موومنٹ کی شکل میں کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لیے جلسہ جلوس کرواتے ہیں۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے عام معنوں میں ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی فطرت میں اچھی اور بری دونوں چیزیں ہیں۔ انسان اپنی فطرت میں موجود اچھی چیزوں کو نشوونما دیتا ہے (تزکیہ) اور بری چیزوں کا انسداد کرتا ہے (تدسیہ)۔ ایک صالح فطرت کو پروان چڑھانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اب فطرت میں اچھی چیزیں کیا ہیں اور بری کیا اس کا فیصلہ کرنا ہمارے لیے مشکل بلکہ بعض صورتوں میں تو ناممکن ہے۔ اسی لیے ایک مسلمان اللہ کی واضح ہدایات کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور نامطلوب جذبوں اور بے فائدہ حرکتوں سے بچتا ہے۔ وہ اتنا احمق نہیں ہوتا کہ

نفس کی شرارتوں سے آگاہ نہ ہو۔ اسی لیے وہ اپنے نفس کے سلسلے میں چوکس رہتا ہے اپنے اندر ابھرنے والے ہر جذبہ کی نگرانی کرتا ہے۔ بعض جذبوں کی پرورش کرتا ہے اور بعض جذبوں کو فنا کر دیتا ہے۔

اس دنیا میں یقینا ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنے جنسِ مخالف میں قطعاً کوئی جنسی کشش محسوس نہیں کرتے۔ مگر ایسے لوگ انتہائی ناقابل لحاظ تعداد میں ہیں۔ اس لیے ہم جنس پرستی اگر کوئی چیز ہے بھی تو یہ عام انسانی آبادی کا مسئلہ نہیں ہے۔ عام انسانی آبادی میں ہم جنسیت پر مبنی جو مظاہر دیکھے جاتے ہیں ان کی حیثیت ''ہوس رانی اور لذت پرستی'' سے زیادہ نہیں۔ جو لوگ اپنے جنس مخالف سے جنسی تعلق قائم کرنے سے واقعی معذور ہوں، انہیں تو ایک لمحے کے لیے نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن جو لوگ ''بائی سیکسوئل'' ہوں، یعنی ان کی نگاہ مرد پر بھی جاتی ہو اور عورت پر بھی، تو ایسے لوگوں کی ہم جنس پرستی ''ہوس رانی اور لذت پرستی'' سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے اندر ابھرنے والے اس جذبے کو روکنا چاہیے۔ اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔

جو لوگ جنسِ مخالف سے جنسی تعلق بنانے میں واقعی معذور ہیں، انہیں اپنی معذوری کا علاج کرانا چاہیے۔ اگر ان کی نگاہ جنس مخالف کی طرف نہیں جاتی تو اس کے لیے ان کا علاج کیا جائے گا نہ کہ انہیں اس کی اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنے ہم جنس سے جنسی تعلق قائم کریں گے۔ مرد ہوتے ہوئے عورت کی طرف مائل نہ ہونا ایک معذوری ہے، یہ ایب نارمل ہے، جسے نارمل بنانے کے

لیے ہر طرح کی کوشش کی جانی چاہیے۔ اور سائنسی طریقہ کار سے مدد لے کر ایسا کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

ایسے ہم جنس پرست حضرات وخواتین جو واقعی معذور ہیں انتہائی ناقابل لحاظ تعداد میں ہیں، اور ان کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد کوئی مناسب حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جو لوگ بائی سیکسوئل ہیں انہیں "انسانی حقوق" کی دہائی دینے اور کا کیا حق ہے یہ ایک سلیم الطبع شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور ایک بڑی حقیقت تو یہ ہے کہ فی زمانہ "ہم جنس پرست" کا استعمال ایسے معذور لوگوں کے لیے ہی استعمال نہیں ہو رہا بلکہ ان کے لیے بھی استعمال ہو رہا ہے جو در حقیقت ہم جنس پرست نہیں ہیں بلکہ ہم جنس پرستی کا ڈھونگ رچارہے ہیں تاکہ انہیں آزاد شہوت رانی کی اجازت ملے۔

ایسے لوگ جو مرد اور عورت دونوں سے جنسی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، بائی سیکسوئلز کہے جاتے ہیں۔ اور ان کی تعداد دن دونی رات چوگنی بڑھ رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فلم، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی اتنی بڑھ چکی ہے کہ مرد وزن میں سے ہر ایک کو دوسرے کے جسم سے اکتاہٹ سی محسوس ہونے لگی ہے۔ شکر زیادہ کھالی جائے تو شکر کھانے کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور نمکین چیزوں کی طرف طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔ یہی حال مذکورہ معاملات میں ہے۔ اگر اسے اعتدال پر نہ رکھا گیا تو یہ کسی بھی حد پر جا کر نہیں رکتی۔ جدید فحاشی کی وجہ سے دونوں جنسوں کے مابین ایک دوسرے کے لیے کم ہوتی ہوئی دلچسپی کا اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فحاشی کے

سیلاب سے متاثرہ افراد کا لاشعور اپنے ہم جنسوں میں جنسی کشش کے سامان ڈھونڈ لیتا ہے اور پھر شروع ہو جاتی ہے "ہم جنس پرست انسانی حقوق" کی چیخ و پکار۔ اور پھر ہر طرح کے ہتھکنڈے اپنائے جانے لگتے ہیں۔ ناز فائونڈیشن جیسی تنظیمیں ان کے حق میں سر گرم عمل ہو جاتی ہیں۔

ہر قسم کے ہم جنس پرست حضرات و خواتین خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مرد اور مرد یا عورت اور عورت کے ملاپ سے سوائے لذت کے حصول کے کوئی بڑا نتیجہ بر امد نہیں ہو سکتا، یعنی اس سے اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ اولاد کے حصول کے لیے انہیں کسی نہ کسی سائنسی تکنیک کا سہارا لینا پڑے گا یا پھر وہ کسی کو گود لے لیں گے۔ لیکن یہ سراسر ایک بناوٹی اور مصنوعی طریقہ ہو گا۔ اس سے حقیقی اولاد کی مسرتیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ہم جنسیت پر مبنی ازدواجی زندگی میں اولاد کے حصول کا یہ بنائوٹی اور مصنوعی طریقہ ہم جنسیت کے "غیر فطری" ہونے کی ایک مضبوط دلیل ہے۔ ہم جنسیت کوئی "فطری" جذبہ نہیں ہے اسی لیے اس کا نتیجہ بھی "فطری" نہیں ہو سکتا۔ اسی سے لفظ "فطری" کا ایک اور مفہوم قرار پاتا ہے: "تصنع سے عاری اور پاک ہونا"۔ یعنی کسی "فطری" شئے میں کسی قسم کی انسانی صناعی مثلاً آپریشن کا دخل نہیں ہو سکتا۔ ہم جنسیت پر مبنی جنسی تعلق ایک غیر فطری فعل اس لیے ہے کہ کسی مصنوعی طریقہ کار کا سہارا لیے بغیر ہم جنس جوڑوں کو اولاد نہیں ہو سکتی۔

مگر ہٹ دھرمی اپناتے ہوئے بار بار یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہم جنس جوڑوں کو بھی اولادیں پیدا ہو سکتی ہیں اور اس میں کچھ زیادہ قباحت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر کسی سائنسی طریقہ کار سے مدد

لے کر ہم جنس پرست مرد بھی بچہ پیدا کرنے قابل ہو سکتے ہیں۔ اور سائنسی طریقہ کار ہی کی بدولت ایک ہم جنس پرست عورت بھی باپ بن سکتی ہے اور بعد میں باپ کا رول ادا کر سکتی ہے۔ بالفرض محال مرد کے اندر آپریشن کے ذریعے بچے دانی لگانے اور اس میں نطفہ ڈال کر بچہ پیدا کرنے کی تکنیک اگر کامیاب بھی ہو جائے تو کیا اس پورے عمل کو ہم ایک لمحے کے لیے بھی ''فطری'' کہہ سکتے ہیں؟ اور جب بات آپریشن اور دوا علاج ہی کی ہو تو خود ''ہم جنس پرستی'' کا علاج کیوں نہ کیا جائے؟ یہ زیادہ صحیح اور سیدھا طریقہ ہے ایک نارمل زندگی جینے کا۔

ہم جنس پرستی اور جدید ذہن

آج کے ہم جنس پرست حضرات و خواتین اور ان کے حامی نہ کسی الٰہی مذہب کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ سماج کے ذریعے عائد کی گئی اخلاقی قیود ہی کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ کسی خدا کو اپنے اوپر حاکم نہیں سمجھتے۔ ان کی نظر میں اپنی انفرادی آزادی ہی سب کچھ ہے۔ ایسے لوگوں سے کچھ بعید نہیں کہ آگے چل کر وہ کیسی کیسی گمراہیوں کا شکار ہوں گے۔ اور ایسے لوگ اسی حکومت، ریاست، مذہب اور سماج کو تسلیم کر سکتے ہیں جو ان کی خواہشِ نفس کے مطابق قوانین بنا کر دے۔ دنیا میں ایسے لوگوں کی اکثریت تو نہیں لیکن ایسے لوگوں کی ایک خاصی تعداد ہے جس میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی حکومتیں یکے بعد دیگرے ہم جنس پرستی کا قانونی جواز پیدا کرنے پر خود کو مجبور پاتی ہیں۔

عصر حاضر میں کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں جو لوگ اس قسم کی حرکتوں یا ہم جنس پرستی میں ملوث پائے جائیں گے انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ یہ تقریباً دنیا کے متعدد ملکوں کے قانون میں ہم جنس پرستی کا جو جواز پیدا کیا گیا ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ ہندوستان کے سلسلے میں بھی یہی بات ہے۔ ایک بار فرد کی آزادی اور حق خود اختیاری کے نقطہ نظر سے قانون میں ''اصلاح'' کا جو دروازہ کھولا گیا ہے اسے کسی طرح بند نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ مذہبی تنظیمیں اس کے لیے اپنا پورا زور لگا دیں۔ یہ خام خیالی ہی ہو گی کہ خواہشِ نفس کے مطابق بدلتے ہوئے قوانین کو تقویٰ اور راستی پر لایا جا سکتا ہے۔ اب قانون میں تبدیلی کا کوئی بھی مطالبہ ہم جنس پرستوں کا ایک ماس موومنٹ کھڑا کر دے گا۔ اس سے جو ماحول بنے گا اس میں کسی معقول بحث و مباحثہ کی گنجائش نہ ہو گی۔ پھر محاذ آرائی عقل کی سطح پر نہ ہو کر جذبات کی سطح پر ہو گی۔ ماس موومنٹ ہمیشہ جذبات کی شدید رو میں اٹھتے ہیں اور غالب آ جاتے ہیں۔ قانون میں تبدیلی کا مطالبہ دراصل ''ہم جنس پرستی'' کے خلاف 'جبر' اور طاقت کے استعمال کا مطالبہ ہے۔ اور جہاں طاقت کی بات آتی ہے وہاں افہام و تفہیم اور عقل کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پھر جو تحریک جس قدر عوامی حمایت حاصل کرے گی فتح اسی کی ہو گی۔ یورپی نشاۃ ثانیہ سے لے کر اس مابعد جدید دور تک تاریخ نے مذہب کی پے در پے شکست ہی کو دیکھا ہے۔ مسلم ممالک کو چھوڑ کر دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں قانون سازی کا عمل مذہبی حدود و قیود سے آزاد ہے۔ اس لیے مذہب کے علمبرداروں کو حد درجہ احتیاط برتتے ہوئے ''قانون'' کی سطح پر ٹکراؤ مول لینے سے بچنا چاہیے۔

اب مذہب کے علمبرداروں کے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی بچا ہے۔ وہ ہے تبلیغ و اصلاح کے ذریعے موجودہ صورت حال کو بدلنے کی جدوجہد کا پرامن راستہ۔ اب ہم جنس پرستوں کے سلسلے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہیں جینے کا حق نہیں، انہیں زندہ دفن کر دیا جائے کیوں کہ وہ انسانیت کے دائرے سے خارج ہیں۔ اسی ضمن میں یہ سوال بھی پوری شدت سے اٹھتا ہے کہ کیا ہم جنس پرستوں کو محض ان کی ہم جنس پرستی کی وجہ سے "جینے کے حق" سے محروم کر دیا جائے یا کسی قسم کی سزا دے کر راہ راست پر لایا جائے۔

اس مابعد جدید دور میں اس قسم کی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں ہیں جو نہ کسی مذہب کی صحیح اسپرٹ سے واقف ہیں اور نہ اس دور کے حقائق سے۔ ایسے لوگ اگر اپنی ناعاقبت اندیشی کے سبب اس طرح کے مطالبات کریں گے تو اس سے ہم جنس پرستی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہو گا کہ اس کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ اس دور کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ لوگ نظریاتی طور پر 'فرد کی آزادی'، 'اظہار خیال کی آزادی' اور 'انسانی حقوق' میں بے پناہ یقین رکھتے ہیں اور کسی بھی قیمت پر اس نظریاتی آزادی سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جمہوریت، انسان دوستی، اور حقوق انسانی کا پروپیگنڈہ کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ فی زمانہ مذہبی عقیدے کی طرح مقدس ہو گیا ہے۔ بلکہ خود ایک مذہبی عقیدہ بن گیا ہے۔ جس طرح آج کل مذہبی عقائد کی توہین ہوتے دیکھ کر لوگ لڑ مرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اسی طرح جمہوریت، سیکولرازم، اور انسانی حقوق جیسے ' مقدس عقائد' کے لیے بھی سیکڑوں این.جی اوز اور

فلانتھروپسٹس Philanthropist موجود ہیں جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دینے لیے ہمہ تن تیار ہیں۔ جس طرح مذہبی تنظیمیں اپنے اپنے مذہب کا پرچار کرنے میں ہمہ وقت لگی رہتی ہیں اسی طرح یہ غیر سرکاری تنظیمیں بھی اپنے ان 'مقدس عقائد' کا پرچار کرنے میں لگی ہیں۔

مگر عملی طور پر ساری دنیا اس وقت ''کیجیے غلط، بولیے غلط نہیں'' کے اصول پر عمل کر رہی ہے۔ تقریباً ہم سب اسی اصول کو مانتے ہیں۔ اپنے مقدس عقیدے کو ٹھیس پہنچی نہیں کہ ہم اپنے جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب خود ہی اپنے مذہبی اصولوں اور مقدس عقائد پر چلنے اور اس کو برتنے کی باری آتی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ ٹیں بول جاتے ہیں۔ ہم جنس پرستی کی حمایت میں بولنے والے زیادہ تر لوگ خود ہم جنس پرست نہیں ہیں۔ ان کے اپنی ''روایتی اور فطری طور پر'' پیدا شدہ اولادیں ہیں اور وہ جنس مخالف کے ساتھ ازدواجی زندگی کی مسرتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ زیادہ تر لوگ جو اس کی حمایت میں ہیں وہ بس 'انسانی حقوق' اور 'فرد کی آزادی' کے نام پر اپنے باطل عقائد کے جنون میں بول رہے ہیں۔

جس طرح متعدد مذہبی عقائد یکسر باطل ہیں اسی طرح انسانی حقوق کے نام پر ہم جنسی کی آزادی کا یہ عقیدہ بھی یکسر باطل ہے۔ سورج کی طرح روشن اس حقیقت کو کس طرح جھٹلایا جا سکتا ہے کہ مرد و زن میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اور اگر سائنسی آلات وغیرہ کو بیچ میں سے نکال دیا جائے تو بچہ بھی عورت ہی کو ہو سکتا ہے، مرد کو نہیں۔ اور رحم مادر عورت ہی میں ہو سکتا ہے مرد میں نہیں۔

رہی بات یہ کہ عام لوگ بھی اپنے ہم جنسوں کے لیے کشش محسوس کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ وہ محسوس کرتے ہیں اس کو کر ہی ڈالیں۔ ہمیں دنیا میں چند چیزوں سے رکنا ہوتا ہے، اور ہم رکتے ہیں، اگر نہیں رکتے تو اس سے نقصان ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہیں نہ کہیں ہمیں رکنا ہے۔ اب یہ فیصلہ کون کرے گا کہ ہمیں کہاں رکنا ہے اور کہاں نہیں؟

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ یا تو خدا کر سکتا ہے یا خود انسان۔ اب جو لوگ خدا کے وجود ہی کو تسلیم نہ کرتے ہوں، یا یہی تسلیم نہ کرتے ہوں کہ اس نے کوئی کتاب نازل کی ہے، ایسے لوگ خود ہی اپنے لیے راہ عمل متعین کریں گے کہ انہیں کس حد کو پار نہیں کرنا ہے۔ اب رہی بات یہ طے کرنے کی کہ کیا "ہم جنس پرستی، چوری، ڈاکہ زنی، زنا بالجبر یا قتل عمد جیسا جرم ہے کہ اس کے ارتکاب پر مجرموں کو کسی بھی قسم کی "سزا" دی جائے؟ اگر ہم جنس پرستی کو 'فرد کی آزادی اور حقوق انسانی' کی بنیاد پر جائز قرار دیا جاتا ہے تو اسی دلیل سے ہر قسم کے جنسی تعلق، خواہ کسی بھی شئے یا جاندار کے ساتھ ہو' سے بھی منع نہیں کیا جا سکتا۔ عقل کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جنسی معاملات میں صرف ہم جنس پرستوں کو ہی رخصت نہ دی جائے بلکہ Animal Sex سے لے کر Incest تک کو جائز قرار دیا جائے کیوں کہ یہ بھی انسانی حقوق اور فرد کی آزادی کا معاملہ ہے۔

دور حاضر کے اربابِ عقل اپنے فہم و فکر کے مطابق خود ہی قانون بناتے ہیں اور خود ہی آگے چل کر اسے رد کر دیتے ہیں۔ کسی زمانے میں امریکہ میں شراب پر پابندی لگی تھی اور بعد میں وہ پابندی مجبوراً ہٹا دینی پڑی۔ کیوں کہ پابندی کی وجہ سے شراب اور زیادہ مقدار میں فروخت ہونے لگی

تھی۔ پابندی لگانے، یارخصت دینے کا یہ عمل جدید ذہن وفکر کی پرانی عادت ہے۔ جس چیز کا دل چاہااس کے لیے پہلے تواس نے عقل سے دلیل فراہم کی اور پھر اسے عوام کے لیے جائز کر دیا یا پھر اس کو سرے سے حرام ہی قرار دے دیا۔ حلال و حرام کی سخت تاکید صرف مذہبی لوگوں کی نہیں بلکہ جدید ذہن کے افراد کی سرشت میں بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ مختلف ملکوں کے جدید قوانین میں لگائی گئی حلت و حرمت کو تسلیم نہ کرنے پر مختلف مذاہب کے لوگوں کو کٹر پنتھی، دقیانوسی اور انتہا پسند، جیسی گالیوں سے نوازا جاتا رہا ہے۔ مسلمانوں کے اس سلسلے میں بڑے تلخ تجربات ہیں۔ جدید قانون کے مطابق میں عام طور پر ایک ہندو یا عیسائی یا دہریہ ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتا۔ حالانکہ غور کیا جائے تو یہ قانون بھی انسانی حقوق کے لیے ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اگر دو عورتیں خود چاہتی ہوں کہ وہ ایک مرد کی زوجیت میں رہیں تو آخر انسانی حقوق کے ٹھیکداروں، جدید ذہن کے علمبرداروں کو واویلا مچانے کی کیا ضرورت ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی رکھنا غلط ہے، غیر انسانی ہے؟ اور نہ صرف واویلا بلکہ صدیوں سے ایسا نامعقول قانون بھی بنا ہوا ہے۔ کیا دنیا کی تمام عورتوں سے پوچھ کر ایسا قانون بنایا گیا تھا؟ اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ بے شمار فراخ دل خواتین ایسی ہیں جو دوسری تیسری یا چوتھی بیوی بننا بہ خوشی قبول کر سکتی ہیں۔ اس لیے جدید قوانین فرداً فرداً پوچھ کر نہیں بنائے گئے۔ یہ من مانے (Arbiterary) ہیں۔ ان کی حقیقی بنیاد عقل پر نہیں، خواہشِ نفس پر ہے۔ لیکن بظاہر ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ جدید قوانین عقل پر مبنی ہیں۔ حالانکہ عقل سے ان کا بہت کم واسطہ ہے۔ چونکہ

جدید ذہن Trial and Error کے اصول پر کام کرتا ہے اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ جس چیز کو جدید ذہن آج انسانیت کے لیے بے ضرر سمجھ رہا ہے کل اسی چیز کو نقصان دہ قرار دے سکتا ہے۔ ابھی ہم جنس پرستی کی رخصت دی جا رہی ہے اور کل یہی جدید ذہن ہو گا جو ایک صدی بعد اس کے بھیانک اثرات دیکھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے ہم جنس پرستوں کا قتل عام شروع کرے گا۔

ہم جنس پرستی کے حامیوں کی موجودہ چیخ و پکار سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ محض خواہش نفس کے ماروں کا کوئی جم غفیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہے جو لذت پرستی کو عام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے حامی انسانی حقوق اور انفرادی آزادی کے اپنے عقیدے کے جنون میں بول رہے ہیں۔ لہٰذا جب تک اس عظیم فتنے کا عقلی اور فلسفیانہ جائزہ نہ لیا جائے، اور عوام کو اس کے نتائج و عواقب سے آگاہ نہ کیا جائے، اس وقت تک اس فتنے کا سدباب ناممکن ہے۔

ایک آفاقی قانون

مرد و زن کے مابین جنسی کشش کائنات میں ہر لمحہ جاری و ساری ایک عام قانون کے ماتحت ہے۔ اس قانون کو محض بہتر طور پر سمجھنے غرض سے ''مثبت منفی کشش'' کا آفاقی قانون کہیں گے۔ اس قانون کو اچھی طرح سمجھ لینے سے ہی 'ہم جنسیت' کے فریب کا پردہ چاک کیا جا سکتا ہے۔ کائنات کی ہر شئے اور ہر جنس کے لیے اس کا ایک جوڑا یا مخالف جنس موجود ہے۔ ہر جنس کے لیے اس کی

ایک مخالف جنس پیدا کی گئی ہے۔ کوئی بھی جنس اپنے جنسِ مخالف ہی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم اجالے کو اجالے کے سبب نہیں بلکہ اندھیرے کے سبب پہچانتے ہیں۔ مثبت برقی رو کی شناخت منفی برقی رو سے ہوتی ہے اور منفی برقی رو کی شناخت مثبت سے۔

مرد وزن میں سے ہر ایک کی شناخت بلکہ ہر ایک کا وجود بھی دوسرے پر منحصر ہے۔ اگر ایک کا وجود نہ ہو گا تو دوسرے کا وجود بھی برقرار نہیں رہ سکتا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ مرد عورت سے وابستہ رہ کر ہی زندگی کی حقیقی مسرت حاصل کر سکتا ہے۔ اِس کے بغیر مرد کی زندگی بے کیف اور ویران ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کی مردانگی پر مُردنی چھا جاتی ہے۔ پھر وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔

اس قانونِ فطرت میں مداخلت کی جو استطاعت انسان کو حاصل ہے اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ انسان کی آزمائش کی جائے۔ خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا انسان اس کی عطا کردہ قوت کا اچھا مصرف لیتا ہے یا برا۔ خدا کی عطا کردہ قوت کی بدولت کائنات کے اس بالاتر قانون میں مداخلت کے بعد بھی یہ قانون اپنی مسخ شدہ شکل میں جاری رہتا ہے۔ مثال کے طور پر دو ہم جنس پرست اشخاص آپس میں نکاح کریں تو ان میں سے ایک مرد یعنی میاں کا رول ادا کرے گا اور دوسرا عورت یعنی بیوی کا۔ ہم جنس جوڑے کسی سائنسی طریقہ کار کی مدد سے اولاد بھی حاصل کر لیتے ہیں یا کسی لاوارث بچے کو گود لے لیتے ہیں۔ مگر دونوں ہم جنسوں میں سے ایک باپ کا رول ادا کرنے پر مجبور ہو گا اور دوسرا اماں کا رول۔ یعنی مرد وزن کے اس تصور سے چھٹکارا نا ممکن ہے خواہ انسان

کچھ بھی کرلے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ مسخ کیے جانے کے بعد بھی یہ قانون اپنی بگڑی ہوئی شکل میں باقی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی 'خود' یا "اپنے جیسے" سے محبت کرنے کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ اس کی ایک واضح حد مقرر کر دی ہے۔ اس مقررہ حد کے بعد 'خود' یا 'اپنے جیسے' سے محبت در حقیقت محبت ہی نہیں رہتی بلکہ وہ مسخ ہو کر "خود پسندی اور خود پرستی" کے جذبات میں بدل جاتی ہے۔

'مرد' عورت کا "مخالف جنس" یا اس کا 'غیر" ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو اس کی قدر و قیمت بتاتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے آئینے کی طرح ہیں۔ جس میں دونوں اپنی حقیقی صورت دیکھتے ہیں۔ دونوں کا وجود ایک دوسرے کی اخلاقی و عمرانی زندگی کے لیے آکسیجن کی طرح ضروری ہے۔ انسان کا مردانہ وجود (Male Self) انسان کے نسوانی وجود (Woman Self) کی جستجو اور آرزو ہے۔

ہم جنسیت کے حامی کائنات کی اس حقیقت کبریٰ سے بے خبر ہیں۔ ہم جنس پرست اس آئینے کو چور چور کر دیتے ہیں جو انہیں ایک صالح جنسی زندگی گزارنے کا موقع فراہم کر سکتا تھا۔ ہم جنسیت اپنا کر وہ اپنا آئینہ آپ بننے کی ناکام سی کوشش کرتے ہیں۔ یہی خود بینی وہ بھرم ہے جس میں پڑ کر وہ "اپنے جیسے" سے جنسی طور پر وابستہ ہوتے ہیں۔

ہم جنس پرستی کی تعریف:

ہم جنسیت بھی ایک قسم کی خود پرستی ہے جس کا تعلق انسان کیجنسی جذبے سے ہے۔ اس میں انسان اپنے جیسا نظر آنے والے سے Attach ہوتا ہے۔ اور اس طرح کائنات کے اس بالاتر قانون میں مداخلت کرتا ہے جس میں مداخلت کرنے میں اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔ اکثر اوقات یہ ہم جنس پرستی لوگ خود ہی اختیار کرتے ہیں۔

اوپر کی باتوں کی روشنی میں ہم جنس پرستی مندرجہ ذیل تعریف کی جاسکتی ہے۔

''ہم جنس پرستی در حقیقت ایک پیدائشی، حادثاتی یا اختیاری مرض یا معذوری ہے جس کی وجہ سے فرد ایک جنسی کرائسس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے جیسے جنسی اعضا رکھنے والوں سے مجامعت کی خواہش رکھتا ہے۔''

اور اس جنسی کرائسس (فتنے) کے نتیجے میں نوعِ انسانی کا تسلسل متاثر ہوتا ہے اور اگر ہم جنس پرستوں کی تعداد حد سے زیادہ بڑھی تو اس کے نتیجے میں دوسرے سماجی، سیاسی، معاشی، ماحولیاتی، اخلاقی، نفسیاتی اور صحتِ عامہ کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کے اثرات بد اتنے دور رس ہونگے کہ اس کا احاطہ کرنے کے لیے پوری ایک کتاب بھی کافی نہ ہو گی۔

—